14

تمہیں خواہ کوئی فائدہ اور حکمت نظر آئے یا نہ آئے قربانیوں کے میدان میں ہمیشہ اپنا قدم آگے بڑھاتے جاؤ

ہماری جماعت کو پردہ کے متعلق اسلامی احکام پر پوری طرح کاربند رہنا چاہیے

(فرمودہ 25 جون 1954ء بمقام کراچی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پہلے تو میں ایک ایسی بات کے متعلق مختصر طور پر کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں جو یہاں مسجد کے باہر مجھے نظر آئی۔ اگلی موٹروں کی سواریاں چونکہ اُتر رہی تھیں اس لیے ہماری موٹر کو تھوڑی دیر کے لیے پیچھے کھڑا کر لیا گیا۔ اُس وقت موٹر میں بیٹھے بیٹھے میں نے سامنے کی طرف دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ تین چار مستورات جمعہ کے لیے برقع پہنے آ رہی ہیں لیکن اُن کا منہ کا پردہ ایسے رنگ میں تھا جس کو پورا پردہ نہیں کہا جا سکتا۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اِس زمانہ میں پردہ کے خلاف اتنا رواج ہو چکا ہے کہ دوسری عورتیں تو الگ رہیں جو مسائل جاننے والی عورتیں ہیں اُن کو سمجھانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور پھر حفظانِ صحت پر آجکل اتنا زور دیا جاتا ہے کہ اس کی آڑ میں پردہ میں بہت کچھ تخفیف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور بعض عورتیں سانس لینے کے لیے اپنا نقاب اس طرح رکھتی ہیں کہ جس سے پورا پردہ نہیں ہوسکتا۔

اور جب انہیں کچھ کہو تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل منشا تو گھونگھٹ ہے حالانکہ نقاب کی گھونگھٹ اور چادر کی گھونگھٹ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چادر کی گھونگھٹ منہ سے ایک بالشت کے فاصلہ پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا شیڈ چہرہ پر پڑتا ہے اور وہ دوسرے کو نظر نہیں آ سکتا لیکن نقاب کی گھونگھٹ اول تو باریک کپڑے کی ہوتی ہے اور پھر وہ منہ کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہے جس کی وجہ سے چہرہ پر اُس کا شیڈ نہیں پڑتا۔ لیکن خواہ تعلیم یافتہ عورتیں ایسا کریں یا غیر تعلیم یافتہ، جو چیز ناپسندیدہ ہے وہ بہرحال ناپسندیدہ ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام میں جو اصل پردہ رائج تھا وہ گھونگھٹ تھا اور وہی اصل پردہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ گھونگھٹ کا پردہ بہ نسبت اِس پردہ کے جو آجکل ہمارے ملک میں رائج ہے زیادہ محفوظ تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول ہمیں گھونگھٹ نکال کر دکھایا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ پردہ کا اصل طریق یہ ہے۔ اگر اس طرح گھونگھٹ نکالا جائے تو لازماً موٹے کپڑے کا چہرہ پر سایہ پڑے گا اور صحیح معنوں میں پردہ قائم رہ سکے گا لیکن موجودہ نقاب کا طریق ایسا ہے جس میں پورا پردہ نہیں ہوسکتا۔ بہرحال ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اسلامی احکام پر عمل کرے اور اگر کہیں اس کے عمل میں کمزوری پائی جاتی ہو تو اس کو دور کرے۔

پھر اس سے بھی زیادہ نقص میں نے یہ دیکھا کہ ایک خاتون نے ایسا برقع پہنا ہوا تھا جس کی آستینیں نہیں تھیں اور اس کا بازو ننگا تھا حالانکہ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے ران ننگی کر دی جائے یا لاتیں ننگی کر دی جائیں۔ چونکہ عورتوں میں اب ایرانی طرز کے برقع کا رواج ہو رہا ہے اور اس کی آستینیں نہیں ہوتیں اس لیے بعض عورتیں وہ برقع پہن کر آجاتی ہیں حالانکہ ہاتھ کے جوڑ کے اوپر سارے کا سارا حصہ پردہ میں شامل ہے۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجِ مطہرات کے بیان سے تو پتا چلتا ہے کہ ہاتھ اور پَیر بھی پردہ میں شامل ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب حج کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت کے ساتھ تشریف لے جاتے اور مرد سامنے آ جاتے تو آپ فرماتے اب دستانے اور جرابیں پہن لو۔ سامنے مرد آ رہے ہیں۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم صرف

ازواجِ مطہرات کے لیے تھا لیکن بہرحال اِس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ ہاتھ کے جوڑ کے اوپر جو کچھ ہے سب پردہ میں شامل ہے۔ میں یہ تو امید نہیں کرتا کہ تم ساری عورتوں سے پردہ کروا لو گے۔ کچھ بہرحال انکار کریں گی۔ اور یہ ایسی لڑائی ہے جو چند دن میں ختم نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے تمہیں لمبی جدوجہد اور لمبے وعظ اور لمبی نصیحت سے کام لینا پڑے گا۔

میں ملّانوں کی طرح تمہیں یہ نہیں کہتا کہ جو عورت پردہ نہیں کرتی تم ڈنڈا اُٹھا کر اُس کے سر پر مارو اور اُسے پردہ کرنے پر مجبور کرو۔ تمہارا کام صرف سمجھانا ہے۔ جب تم سمجھاؤ گے تو ماننے والی عورتیں اور ماننے والے مرد بھی نکل آئیں گے اور نہ ماننے والی عورتیں اور نہ ماننے والے مرد بھی نکل آئیں گے۔ تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ تم ہر ایک کو نصیحت کرتے رہو۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو لوگوں کو بتاتے رہو کہ صحیح اسلامی تعلیم کیا ہے تا کہ کسی کی خرابی کی وجہ سے جماعت پر الزام نہ آئے اور مسئلہ میں خرابی پیدا نہ ہو۔ اگر ہم اُنہیں سمجھائیں گے نہیں تو ہم خدا کے سامنے مجرم ہوں گے اور وہ ہم سے پوچھے گا کہ تم نے ان لوگوں کو کیوں نہ سمجھایا۔ اگر ہم ڈنڈا مارنے لگیں اور جبر سے پردہ کروائیں تب بھی ہم خدا کے حضور مجرم ہوں گے کیونکہ اسلام میں جبر جائز نہیں۔ اور اگر ہم چُپ کر رہتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے نہیں کہ فلاں کا طریق اسلامی تعلیم کے خلاف ہے یا انہیں صحیح اسلامی تعلیم سے آگاہ نہیں کرتے تب بھی ہم خدا کے سامنے مجرم ہوں گے اور وہ کہے گا کہ تم نے سلسلہ پر کیوں حرف آنے دیا۔ تمہارا فرض تھا کہ تم باربار اسلامی تعلیم کو نمایاں کرتے تا کہ کسی کے فعل کی وجہ سے سلسلہ بدنام نہ ہوتا اور لوگ سمجھتے کہ یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اگر تم سمجھاتے رہو تو خواہ وہ شخص تمہاری بات نہ مانے کم از کم دوسرے لوگ تم پر اعتراض نہیں کر سکیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آہستہ آہستہ آئندہ نسلیں اسلام کے مؤقف سے آگاہ ہو جائیں گی اور وہ صحیح مقام پر کھڑی ہونے کے لیے تیار ہو جائیں گی۔ اگر ہم چپ کر رہیں تو آہستہ آہستہ سلسلہ میں ایسا گھن لگ جائے گا جو اس کی جڑوں کو بالکل کھوکھلا کر دے گا۔ اگر ہم مارنے لگیں تو اسلام میں ہم ایک ایسی چیز کا دروازہ کھول دیں گے جسے اسلام جائز قرار نہیں دیتا، اگر ہم نصیحت نہیں کریں گے تو لوگ ناواقفیت میں مبتلا رہیں گے۔ اور جن لوگوں کے اندر اخلاص اور تقوٰی تو پایا جاتا ہے صرف اُن کو سمجھانے کی ضرورت

ہے۔ اُن کو بھی ہم تباہی کے گڑھے میں گرا دیں گے۔

مومن کا طریق ہمیشہ وسطی ہوتا ہے۔ جب وہ کسی میں غلطی دیکھتا ہے تو اُسے نصیحت کرتا ہے۔ جب وہ نہیں مانتا تو وہ کہتا ہے میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر تم نہیں مانتے تو تمہاری مرضی۔ تیسرے وہ لوگوں کو بتاتا رہتا ہے کہ اس قسم کے کمزور اعمال والے لوگ جماعت کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ یہ تمہیں بتا دیتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے۔ جو شخص اِن تین پہلوؤں کو اختیار کرتا ہے وہ وسطی طریق کو اختیار کرتا ہے۔ جو شخص خاموش رہتا ہے اور لوگوں کو بتاتا نہیں کہ فلاں کا فعل سلسلہ اور اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے وہ مذہب کو بدنام کرتا ہے۔ جو شخص دوسرے پر جبر کرتا ہے وہ اُس کے ایمان کو ضائع کرتا اور اس کے اندر ڈر اور خوف پیدا کرتا ہے۔ اور جو شخص نصیحت نہیں کرتا وہ ناکردہ گناہ لوگوں کو بھی جہنم میں ڈالتا ہے۔ یہ تینوں طریق ہیں جو ایک سچے مومن کو اختیار کرنے چاہییں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى [1] لوگوں کو ہمیشہ نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت ہمیشہ فائدہ پہنچایا کرتی ہے۔ اور پھر فرماتا ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ [2] نصیحت کے یہ معنے نہیں کہ تم لٹھ لے کر دوسروں کے پیچھے دوڑتے پھرو اور اُن کو جبر سے منوانے کی کوشش کرو۔

اس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ میں جو کراچی آیا تھا تو درحقیقت اِس غرض کے لیے آیا تھا کہ یہاں علاج کا کوئی پہلو نکل آئے اور کچھ ٹھنڈک کی وجہ سے جسم کو آرام بھی پہنچے کیونکہ عام طور پر سمندر کے کناروں پر موسم نسبتاً ٹھنڈا ہوتا ہے مگر اس میں کچھ غلطی ہو گئی کیونکہ اِن دنوں یہاں موسم بالعموم گرم ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد گرمی بھی پڑی اور لُوئیں بھی چلیں جس کی وجہ سے اُس قدر افاقہ نہیں ہوا جس قدر ہونا چاہیے تھا اور چونکہ میں علاج کے لیے آیا تھا اس لیے میری نیت یہی تھی کہ میں کم ملاقاتیں کروں گا تا کہ طبیعت پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ اس کے نتیجہ میں لازمی طور پر وہ احباب جنہوں نے اپنے اخلاص میں قریب آنے کی کوشش کی وہ ملاقات سے محروم رہے۔ اور پھر نمازوں میں بھی میں زیادہ نہیں آ سکا کیونکہ ضُعف کی وجہ سے سیڑھیوں پر چڑھنا، اُترنا، گھٹنے برداشت

نہیں کر سکتے۔ دوسرے میں زیادہ بول بھی نہیں سکتا۔ چنانچہ جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ہر خطبہ کے بعد مجھے سردرد ہو جاتا ہے اور پھر نماز میں چونکہ بلند آواز سے تکبیریں کہنی پڑتی ہیں اور بعض نمازوں میں قرآن شریف کا بھی کچھ حصہ پڑھنا پڑتا ہے اور میرے لیے چھوٹی سی چھوٹی آواز نکالنا بھی مشکل ہوتا ہے اس لیے میں نمازوں میں نہیں آتا رہا۔ لیکن باوجود اس کے کہ جماعت کے دوست بہت دور دور رہتے تھے اور میں بھی نمازوں میں نہیں آ سکتا تھا پھر بھی لوگ اخلاص اور عقیدت کے ساتھ بڑی کثرت کے ساتھ آتے رہے۔ چونکہ جماعت میں بعض کمزور طبائع بھی ہوتی ہیں اس لیے ہوسکتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ یہ خیال کر لیں کہ ہمیں وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ انہوں نے آنا نہیں۔ اور اگر آئیں تو بیٹھنا نہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں اپنا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہمارا وہاں جانا اپنی ذات میں ایسا فعل ہے جو ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ یہ دونوں قسم کے گروہ ہیں جو عموماً جماعت میں ہوا کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو اُس گروہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ وہاں جانے کا فائدہ کیا جبکہ وہ نمازوں کے لیے نہیں آتے اُن کو میں کچھ کہتا نہیں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک واقعہ اُن کو سنا دیتا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں کھڑے تقریر فرما رہے تھے کہ ہجوم زیادہ ہو گیا اور کناروں کے لوگ کھڑے ہو گئے کیونکہ جب کناروں پر لوگ کھڑے ہوں تو اُن سے ٹکرا کر آواز اکثر اونچی ہو جاتی ہے۔ اُن دنوں لاؤڈ سپیکر تو ہوتے نہیں تھے کہ دور تک آواز پہنچ سکے۔ بس یہی طریق تھا کہ تقریر کرنے والے کو اونچی آواز سے بولنا پڑتا تھا۔ مگر پھر کچھ اَور لوگ آ گئے اور وہ اُن کھڑے ہونے والوں کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اُن تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔ کچھ دیر تو وہ کھڑے رہے لیکن آخر مایوس ہو کر اُن میں سے کچھ لوگ واپس چلے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً اُن لوگوں کے حالات کی اطلاع دے دی اور آپ نے فرمایا اے لوگو! مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ اس مجلس میں ایسے آئے ہیں جنہیں میری باتیں سننے کا موقع ملا اور انہوں نے میری باتوں سے فائدہ اُٹھایا۔ جس نیت اور ارادہ کے ساتھ وہ لوگ آئے تھے

اُس نیت اور ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سامان بہم پہنچایا اور وہ خداتعالیٰ کی رضا کے وارث ہوئے۔ پھر کچھ لوگ ایسے تھے جو اس مجلس میں تو آئے اُن کے کانوں میں کوئی آواز نہ پڑی۔ اِس پر بھی انہوں نے کہا کہ جب ہم نیک نیتی سے آئے ہیں تو چلو خواہ آواز ہمارے کانوں میں پڑے یا نہ پڑے ہم یہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا کہ یہ دین کی باتیں سننے کے لیے آئے تھے۔ اگر انہیں آواز نہیں پہنچی تو اِس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے جو کچھ سننے والوں نے فائدہ اُٹھایا ہے وہی اُن کو فائدہ پہنچا دیا جائے۔ پھر کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں آواز نہ آئی تو وہ اس مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ انہوں نے چونکہ میری مجلس سے منہ موڑ لیا اِس لیے میں نے بھی اُن کی طرف سے منہ موڑ لیا۔

تو بیشک بعض دفعہ انسان ایک کام کرتا ہے اور اس کا کوئی فائدہ محسوس نہیں کرتا مگر درحقیقت اِسی قسم کی چیزیں ہیں جو انسان کے اندر اخلاقی مضبوطی پیدا کرتی ہیں اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ جب بظاہر قربانی رائیگاں جا رہی ہو اُس وقت بھی انسان کو قربانیوں کے میدان میں ہمیشہ اپنا قدم آگے بڑھاتے چلے جانا چاہیے۔ شریعت نے حج کے موقع پر جو قربانی رکھی ہے وہ اتنی کثرت کے ساتھ ہوتی ہے کہ عام لوگ یہاں اُس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ یہاں تو ہم عید کے موقع پر بکرے ذبح کرتے ہیں تو کئی دوستوں کی طرف سے شکایتیں آ جاتی ہیں کہ ہمیں بھول گئے۔ اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دوستوں کا حلقہ وسیع ہوتا ہے۔ میرے ہاں بھی پانچ سات بکرے ذبح ہوتے ہیں اور پھر گائیں بھی ذبح ہوتی ہیں لیکن چونکہ تعلق والے بہت پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اگر کسی کے ہاں گوشت نہ پہنچے تو وہ سمجھتا ہے کہ ہمیں مخلص نہیں سمجھا گیا۔ پس ہم لوگ اُن قربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتے جو حج کے موقع پر کی جاتی ہیں۔ جو لوگ حج کے بعد واپس آتے ہیں وہ بالکل اَور تأثر لے کر آتے ہیں۔ وہاں بکرے کو ذبح کرنے کے بعد اُس کے گوشت کے سنبھالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہاں ہزاروں بکرے ذبح ہو رہے ہوتے ہیں اور آدمی اتنا ہوتا نہیں جو اُن کا گوشت استعمال کر سکے۔ ایسے موقع پر عموماً بدوی آ جاتے ہیں جو گوشت سُکھانے کے لیے اُن بکروں کو گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔

ہمیں چونکہ احساس تھا کہ گوشت کو کسی نہ کسی طرح ضرور تقسیم کرنا چاہیے اس لیے ہم نے بعض لوگوں سے مل کر اس کی تقسیم کا انتظام کر لیا تھا مگر اِدھر دنبہ پر چُھری پھیری اور اُدھر میں نے دیکھا کہ بدوی اُس دنبہ کو گھسیٹتے چلے جا رہے ہیں اور قہقہے لگا رہے ہیں۔ اِسی وجہ سے جو لوگ یہ نظارہ دیکھ کر آتے ہیں وہ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے یہ قربانی بغیر کسی حکمت کے رکھی ہے۔ کیوں نہ اس روپیہ کے بدلہ میں کالج جاری کیے جائیں اور اِس طرح قومی ترقی کے سامان کیے جائیں۔ فرض کرو پچاس ہزار بکرا ذبح ہوتا ہے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ پانچ لاکھ کا بکرا ذبح ہو جاتا ہے۔ جو گائیں وغیرہ ہوتی ہیں اُن سب کو ملا کر اندازاً سات آٹھ لاکھ روپیہ ان قربانیوں پر خرچ ہو جاتا ہے۔ پس لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ یہ روپیہ قربانیوں پر ضائع کیا جائے کیوں نہ اس کے بدلہ میں عربوں کی تربیت کا انتظام کیا جائے اور مکہ مکرمہ میں کالج اور سکول وغیرہ جاری کر دیئے جائیں۔ میں ہمیشہ ان کو یہ جواب دیا کرتا ہوں کہ بعض دفعہ قوم پر ایسے اوقات بھی آیا کرتے ہیں جب اسے ایسی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو بظاہر بے فائدہ ہوتی ہیں۔ اِسی کی ٹریننگ کے لیے اسلام نے یہ سلسلہ جاری کیا ہے تا کہ ایسے مواقع پر خواہ انہیں کوئی حکمت نظر آئے یا نہ آئے وہ قربانی کرتے چلے جائیں۔ بعض دفعہ کسی ملک میں ایک اکیلا شخص ہوتا ہے اور وہاں کی حکومت مذہب کے خلاف کوئی جابرانہ حکم دے دیتی ہے جس سے وہ اسلام کو مٹانا چاہتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلامی تعلیم کے مطابق وہ یہ نہیں کہے گا کہ جب قربانی کا کوئی فائدہ نہیں تو میں اپنے آپ کو کیوں قربان کروں؟ بلکہ وہ فوراً قربانی کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے گا کیونکہ جب تک وہ اپنے آپ کو قربان نہیں کرے گا دوسروں کے دلوں میں قربانی کی تحریک پیدا نہیں ہوگی۔ وہ اگر پھانسی پر چڑھ جائے گا تو پھر کوئی دوسرا شخص پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کے لیے نکل آئے گا وہ دوسرا شخص پھانسی دیا جائے گا تو تیسرا شخص نکل آئے گا اور اس طرح قدم بقدم تمام قوم میں ایسا جوش پیدا ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی حفاظت کے لیے دیوانہ وار کھڑے ہو جائیں گے اور کُفر کو شکست کھانے پر مجبور کر دیں گے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دعوٰی فرمایا تو اُس وقت جن

صحابہؓ نے قربانیاں کیں وہ بظاہر کیسی بے فائدہ اور کیسی بے نتیجہ نظر آتی تھیں مگر پھر انہی قربانیوں کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا اور سارا عرب اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ جب صحابہؓ مکہ میں قربانیاں کر رہے تھے اُس وقت کوئی شخص قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک دن اِنہی قربانیوں کے نتیجہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم الشان شوکت ملنے والی ہے۔ اُس وقت جن عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر انہیں مارا جاتا تھا، جن مردوں کو اونٹوں کے ساتھ باندھ کر اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا تھا اُن عورتوں اور مردوں کی قربانیوں کو دیکھ کر ہر شخص سمجھتا تھا کہ یہ لوگ بیکار اپنی عمریں ضائع کر رہے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک عثمان بن مظعونؓ بھی تھے۔ عرب کا ایک مشہور ترین شاعر لبید ایک مجلس میں اپنے اشعار سنا رہا تھا کہ اُس نے یہ مصرعہ پڑھا

اَ لَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٗ

سنو کہ خدا کے سوا ہر چیز تباہ ہونے والی ہے۔ عثمان بن مظعونؓ نے یہ مصرعہ سنتے ہی بڑے زور سے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ خدا کے سوا واقع میں ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ عثمان بن مظعونؓ اُس وقت چھوٹی عمر کے بچے تھے۔ جب انہوں نے تعریف کی تو شاعر ناراض ہو گیا اور اُس نے لوگوں سے کہا کہ اس لڑکے نے میری ہتک کی ہے۔ کیا میں اپنے اشعار میں ایک چھوکرے کی تائید کا محتاج ہوں؟ بعض لوگ اُسے مارنے کے لیے اُٹھے مگر بعض اَور نے دخل دے کر اِس معاملہ کو رفع دفع کرا دیا اور اسے کہہ دیا کہ اب تم نے کچھ نہیں کہنا۔ اِس کے بعد لبید نے اِس شعر کا دوسرا مصرعہ پڑھا کہ

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَامَحَالَۃَ زَائِلٗ

یعنی ہر نعمت بہرحال ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ اس پر عثمان بن مظعونؓ سے برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے کہا جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ لبید کو سخت غصہ آیا اور اُس نے کہا میں اِس مجلس میں اب اپنے شعر سنانے کے لیے تیار نہیں۔ اِس پر لوگ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے عثمانؓ کو مارنا شروع کر دیا۔ ایک شخص نے زور سے گھونسا مارا تو وہ عثمان بن مظعونؓ کی آنکھ پر لگا اور ان کا ایک ڈیلا باہر نکل آیا۔ اُن کے والد کا ایک

دوست بھی اس مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور پہلے وہ اسی کی پناہ میں تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ دوسرے مسلمانوں کو ماریں پڑ رہی ہیں اور وہ آرام سے مکہ میں پھرتے ہیں تو انہوں نے اس رئیس سے جا کر کہہ دیا کہ میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا عثمان اب میری پناہ میں نہیں۔ اسے یہ جرأت تو نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ سب لوگوں کے سامنے ان کی مدد کرتا لیکن جب اُن کی آنکھ نکل گئی تو جس طرح کسی غریب آدمی کے بچے کو کوئی امیر آدمی کا بچہ مارے پیٹے تو غریب ماں اپنے بچہ کو ہی مارتی ہے اور اُسی پر غصہ نکالتی ہے۔ اِس طرح وہ اُن مارنے والوں پر تو غصہ نہیں نکال سکتا تھا اُس نے عثمانؓ پر ہی غصہ نکالا اور کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تُو میری پناہ سے نہ نکل؟ اب دیکھا تُو نے کہ اِس کا کیا نتیجہ نکلا!! حضرت عثمان بن مظعونؓ نے جواب دیا کہ چچا! تم تو مجھ پر اس لیے خفا ہو رہے ہو کہ میری ایک آنکھ کیوں نکلی۔ خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی خداتعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے لیے تڑپ رہی ہے۔3

اب کیا کوئی عقلمند اُس وقت قیاس کر سکتا تھا کہ اُن کی ایک آنکھ کا نکلنا دین کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ اُس وقت یہ تمام قربانیاں بالکل بیکار نظر آتی تھیں لیکن اگر عثمان بن مظعونؓ کی ایک آنکھ خداتعالیٰ کے راستے میں نہ نکلتی، اگر عثمان بن مظعونؓ کی دوسری آنکھ خداتعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے لیے تڑپ نہ رہی ہوتی، اگر عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے نہ مارے جاتے، اگر مکہ کے ابتدائی دَور میں صحابہؓ اپنی جانیں قربان نہ کرتے تو مسلمان وہ قربانیاں کبھی پیش نہ کر سکتے جو انہوں نے بدر اور اُحد کے موقع پر پیش کیں، وہ قربانیاں کبھی پیش نہ کر سکتے جو انہوں نے احزاب کے موقع پر پیش کیں۔ یہی بے مَصرف قربانیاں تھیں جنہوں نے اُن کے اندر جوش پیدا کیا، اُن کے اندر اخلاص پیدا کیا اور انہیں قربانی کے نہایت اعلیٰ مقام پر لا کر کھڑا کر دیا۔

تو وہ دوست جو مجھے ملنے کے لیے آتے رہے لیکن میں اُن سے مل نہیں سکا۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس بارہ میں اپنی تکلیف کی وجہ سے معذور تھا۔ مجھے دکھ بھی ہوتا ہے کہ وہ آتے ہیں اور میں مجلس میں بیٹھ نہیں سکتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اُن کی یہی قربانی انہیں

آئندہ بڑی قربانیوں کے لیے تیار کر دے گی اور ان کے اندر ایک نیا عزم اور نئی ہمت پیدا کر دے گی۔ بہرحال یہاں کی جماعت اپنی جدوجہد اور قربانی کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کچھ اِس میں اِس بات کا بھی دخل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بعض خاندانوں کو دین کی خدمت کا خاص موقع عطا فرما دیتا ہے اور ان کی وجہ سے جماعت ترقی کر جاتی ہے۔

سترہ اٹھارہ سال کی بات ہے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوں اور میرے سامنے چودھری ظفراللہ خاں صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور گیارہ بارہ سال کی عمر کے معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کے دائیں بائیں چودھری عبداللہ خاں صاحب اور چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیٹھے ہیں اور ان کی عمریں بھی آٹھ آٹھ، نو نو سال کے بچوں کی سی معلوم ہوتی ہیں۔ تینوں کے منہ میری طرف ہیں اور تینوں مجھ سے باتیں کر رہے ہیں اور بڑی محبت سے میری باتیں سن رہے ہیں۔ اُس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں اور جس طرح فراغت کے وقت ماں باپ اپنے بچوں سے باتیں کرتے ہیں اِسی طرح میں ان سے باتیں کر رہا ہوں۔ جس وقت میں نے یہ رؤیا دیکھا اُس وقت ان کے بھائی چودھری شکر اللہ خاں صاحب بھی زندہ تھے مگر رؤیا میں مَیں نے اُن کو نہیں دیکھا، صرف ان تینوں بھائیوں کو دیکھا۔ چنانچہ اِس رؤیا کے بعد اللہ تعالیٰ نے چودھری ظفراللہ خاں صاحب کو جماعت کا کام کرنے کا بڑا موقع دیا اور لاہور کی جماعت نے ان کی وجہ سے خوب ترقی کی۔ اس کے بعد چودھری عبداللہ خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کراچی میں کام کرنے کی توفیق دی اور چودھری اسد اللہ خاں صاحب آجکل لاہور کی جماعت کے امیر ہیں۔ لیکن بہرحال جماعت کے اندر بھی کوئی خوبی ہوتی ہے۔ جب اسے اچھا کام کرنے والا امیر مل جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے تو اچھے آدمی کو اچھی جماعت مل جاتی ہے اور اچھی جماعت کو اچھا امیر مل جاتا ہے اور جب خرابی پیدا ہو جائے تو بعض جگہ بُرا امیر مل جاتا ہے اور بعض دفعہ اچھے امیر کو بُری جماعت مل جاتی ہے جو اُس کے حوصلوں کو پست کر دیتی ہے۔ بہرحال یہ جماعت ایک رنگ میں مرکزی جماعت ہونے کی وجہ سے بہت اہم ہے اور اس وجہ سے اسے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ان شبہات کو دور کرنے کی کوشش

کرنی چاہیے جو ہمارے متعلق لوگوں کے قلوب میں پائے جاتے ہیں۔
مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک دوست نے سنایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں فیروز پور کے ایک مولوی صاحب نے کسی گاؤں میں تقریر کی اور اس میں کہا دیکھو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مرزا صاحب محض دھوکا دیتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں تو اِس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے بلکہ مرزا صاحب ہوتے ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو اِس سے مراد بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) مرزا صاحب خاتم النبیین ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے تو اس سے بھی خدا مراد نہیں ہوتا بلکہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) مرزا صاحب مراد ہوتے ہیں اور وہ انہیں خدا کہتے ہیں۔ پھر کہنے لگا میں تمہیں ایک واقعہ سناؤں۔ میں قادیان گیا۔ میرے ساتھ ایک اَور مولوی بھی تھا۔ ہمیں مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا۔ مَیں جانتا تھا کہ مرزا صاحب کھانے پر جادو کر کے کھلاتے ہیں جس سے وہ اُن کے دعووں کو ماننے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ کھانا آیا تو میں نے نہ کھایا لیکن میرے ساتھی نے کھا لیا۔ صبح کی نماز کے بعد ناشتہ آیا جس میں حلوا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی کو سمجھایا کہ یہ حلوا نہیں کھانا مگر اُس نے میری بات نہ مانی اور حلوا کھا لیا۔ حلوا کھاتے ہی وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا بس میرا دل صاف ہو گیا ہے۔ مرزا صاحب جو کچھ کہتے ہیں بالکل درست ہے۔ اس کے بعد شکرم 4 آئی جس میں مرزا صاحب اور مولوی نورالدین صاحب دونوں بیٹھ گئے اور ہمیں بھی اُس میں بٹھا لیا۔ حلوا مولوی نورالدین صاحب پکایا کرتے تھے اور وہی جادو پھونک کر لوگوں کو کھلایا کرتے تھے۔ جب سیر کرتے کرتے ہم قادیان سے باہر نکلے تو مرزا صاحب نے کہا اصل بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے محمد بنا دیا ہے۔ میرا دوسرا ساتھی کہنے لگا حضرت بالکل ٹھیک ہے لیکن میں چپ کر کے بیٹھا رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے ختمِ نبوت کا مسئلہ بالکل درست ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکا لگ گیا ہے۔ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہنا شروع کر دیا ہے حالانکہ اصل میں میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے ساتھی نے پھر اس کی تصدیق کر دی لیکن میں

خاموش بیٹھا رہا۔ آخر میں مرزا صاحب کہنے لگے کہ یہ تو درست ہے کہ خدا ایک ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ خدا سے مراد بھی میرا ہی وجود ہے۔ بس انہوں نے یہ بات کہی تو میں نے فوراً کہا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اِس پر مرزا صاحب نے مولوی نورالدین صاحب کی طرف دیکھا اور کہنے لگے کیا ان کو حلوا نہیں کھلایا تھا؟ مولوی صاحب گھبرا گئے اور انہوں نے کہا میں نے تو بھجوایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کھایا نہیں۔ جب وہ یہ تقریر کر رہا تھا تو اتفاقاً فیروز پور کا ایک غیر احمدی وکیل جو بیمار ہو کر علاج کے لیے کچھ عرصہ قادیان رہ چکا تھا جوش سے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا تجھے جھوٹ بولتے حیا نہیں آتی؟ میں خود قادیان میں رہ چکا ہوں۔ جتنی باتیں تُو نے بیان کی ہیں وہ سب کی سب جھوٹ اور افترا ہیں۔ اِس پر وہ شرمندہ اور لاجواب ہو گیا۔

اِس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمارے متعلق لوگوں کے دلوں میں کس قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے رشتہ داروں کے پاس جاؤ اور اُن کے شبہات کا ازالہ کرو۔ کبھی اپنے بھائی کے پاس جاؤ، کبھی بہن کے پاس جاؤ، کبھی ساس کے پاس جاؤ، کبھی خسر کے پاس جاؤ، کبھی سالے کے پاس جاؤ، کبھی ہمسائے کے پاس جاؤ، کبھی ہمسائے کے ہمسائے کے پاس جاؤ اور اُن کو بتاؤ کہ احمدیت اسلام سے کوئی الگ چیز نہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عزیزوں کے دل بھی ایک دن کھول دے گا اور انہیں کھینچ کر صداقت کی طرف لے آئے گا"۔ (الفضل 7 /اپریل 1960ء)

1: الاعلیٰ: 10

2: الغاشية: 23

3: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 9، 10۔ قصة عثمان بن مظعون فی رد الجوار الولید۔ مطبوعہ مصر 1936ء

4: شِکْرَم: بگھی کی وضع کی بند گاڑی جس میں بیل اور بعض جگہ گھوڑے بھی جوتے جاتے ہیں اور اس میں دو پہیے اور بعض میں چار پہیے ہوتے ہیں۔ یہ بند گاڑی پالکی کی شکل کی ہوتی ہے (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 12 صفحہ 646 کراچی 1991ء)